وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کی دعا کا ایک پہلو یہ ہے کہ نظام جماعت میں تفرقہ کا باعث نہ بنیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍ جولائی ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ (الفرقان:۷۵)

پھر فرمایا:

میں نے گزشتہ خطبے میں اس امر پہ روشنی ڈالی تھی کہ کس طرح اس آیت کریمہ کا ایک حصّہ بہت وسیع الاثر دکھائی دیتا ہے اور اس آیت کے اندر گویا ایک مضامین کا دریا ایک کوزے میں بند ہے اور وہ جو ٹکڑا ہے اس آیت کے اندر وہ ہے وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اے ہمارے خدا ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔ اس حصۂ آیت کا تعلق اولاد سے بھی ہے جس کا ذکر چل رہا ہے اور ازواج سے بھی ہے جن کا پہلے ذکر گزرا کہ اے خدا ہمیں اپنے ساتھیوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور اپنی اولاد کی طرف سے اور اولاد در اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما۔ یعنی وہ آنکھوں کی ٹھنڈک جو متقیوں کو دیکھ کر نصیب ہوا کرتی ہے اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے اور اس کے علاوہ اپنی ذات میں یہ ٹکڑا بہت ہی وسیع معنی رکھتا ہے جس کا تعلق زندگی کے تعلقات کے ہر دائرے سے ہے اور پھر ان معنوں میں ازواج کے معنے بھی بدل جاتے ہیں اور وہاں صرف بیویاں مراد نہیں

رہتیں یا خاوند مرادنہیں رہتے بلکہ زندگی کے کام کرنے والے ساتھی۔اس پہلو سے میں اس آیت کے ایک حصّے پر آج کچھ مزید روشنی ڈالوں گا۔

جہاں تک نظامِ جماعت کا تعلق ہے میں نے بڑے غور سے ایسی جماعتوں کے حالات کا تجزیہ کیا ہے جن میں افتراق پایا جاتا ہے۔افتراق کی جو وجوہات ہیں اُن میں سے بہت سی وجوہات کا تعلق آیت کریمہ کے اس حصّے سے ہے وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا۔ بالعموم قیادت کی خواہش کے نتیجے میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔ایک تو نظام جماعت کا انتخاب کا طریق ہے۔اُس طریق میں خالصۃً اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ محض تقویٰ کی بنا پر اپنے سرداروں کا انتخاب کرو یا جماعت کے عہدیداران کا انتخاب کرو۔ جہاں بعض جگہوں میں تقویٰ کی کمی ہو وہاں وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں اور جتھوں کے نتیجے میں انتخاب شروع کر دیتے ہیں۔ پس چونکہ منتخب کرنے والے غیر متقی ہوتے ہیں اس لئے ایسے غیر متقیوں کا امام بھی غیر متقی بن جاتا ہے اور وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا کی دُعا کا اطلاق باوجود اس کے کہ یہ مذہبی لوگ ہیں اور بظاہر مذہبی اور نیک اقدار کی خاطر عہدیدار چُنے جارہے ہیں اُن پر نہیں ہوتا۔ایسی قیادت جب بھی اُبھرتی ہے جو جتھے بندی کے نتیجے میں اُبھرتی ہے اُس قیادت کے لازمی نتائج یہ نکلتے ہیں کہ وہ دوسرے مخلصین جو ایسی جماعتوں میں اقلیت میں پائے جاتے ہیں وہ یا تو رفتہ رفتہ تقویٰ کے دائرے سے خود باہر نکلنا شروع ہو جاتے ہیں اور جتھے کے مقابل پر جتھا بناتے ہیں یا پھر وہ بالکل جماعت میں بے اثر اور بے حقیقت ہو کے رہ جاتے ہیں اور جماعت کا رُخ ترقی کی بجائے تنزل کی جانب مڑ جاتا ہے لیکن یہ جو آخری صورت ہے ایسی نسبتاً کم دیکھنے میں آتی ہے۔اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جو جماعت کی اکثریت کے نزدیک تقویٰ کے اس مقام پر نہیں ہوتے کہ اُنہیں کوئی عہدہ دیا جائے وہ اقلیت میں پائے جاتے ہیں اور جہاں تک میں نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ پہلی صورت بہت کم واقعہ ہوتی ہے اور بسا اوقات جماعت کی اکثریت تقویٰ کے ساتھ ووٹ دیتی ہے اور اُس کے نتیجے میں متقی ہی اُن کے سردار بنائے جاتے ہیں لیکن وہ حصہ جن کو ردّ کر دیا جاتا ہے اُن میں ایک مقابل کی لیڈرشپ اُبھرتی ہے اور اُس لیڈرشپ کا تعلق اُس پہلی لیڈرشپ سے ہوتا ہے جس کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے آدم کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا اور فرشتوں کو حکم دیا

کہ اُس کی اطاعت کرو تو اُس وقت ابلیس نے اطاعت سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پس ایسی صورت میں ہمیشہ مَیں بہتر ہوں کی آواز اُٹھتی ہے یا ساتھیوں کی طرف سے فلاں بہتر ہے کی آواز اُٹھتی ہے اور جب مجھے شکایتیں پہنچتی ہیں تو اُن کا خلاصۂ کلام یہی ہوتا ہے کہ انتخاب ہوا اور اچھے آدمیوں کو چھوڑ دیا گیا اور غلط آدمی کو اختیار کر لیا گیا حالانکہ علم کے لحاظ سے، دولت کے لحاظ سے یا فلاں فلاں لحاظ سے یہ شخص بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا اور عہدہ اس کے سپرد ہونا چاہئے تھا۔

پس وہ چند لوگ جو نہ خود متقی ہوتے ہیں نہ خدا کی نظر میں اس لائق ہوتے ہیں کہ اُن کا امام متقی ہو۔ وہ اپنا ایک غیر متقی امام الگ بنا لیتے ہیں اور ان جماعتوں میں اُن غیر متقیوں کے محدود دائرے کے اندر پھر مجالس لگنی شروع ہو جاتی ہیں۔ منصوبے بنائے جاتے ہیں اور دن رات اُن کا مشغلہ اس کے سوا کوئی نہیں ہوتا کہ جماعت کی مقامی قیادت کو اُلٹا دیں اور اُن کے متعلق دن رات شکایتیں لکھنا شروع کریں۔ چنانچہ بعض ایسے لوگ شکایتیں بھیجنے میں وقف ہو جاتے ہیں۔ ادنیٰ سا قصور بھی اگر جماعت کی قیادت سے سرزد ہو اور ظاہر بات ہے کہ انسان میں کمزوریاں ہیں، خامیاں ہیں اور ہر لحاظ سے وہ کامل نہیں ہو سکتا تو بعض صدران اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بعض کمزوریاں بھی دکھا دیتے ہیں۔ بعض ایسے امام الصلوٰۃ منتخب ہو جاتے ہیں جن کو قراءت پوری طرح نہیں آتی۔ بہر حال کسی قسم کی کوئی کمزوری ہو اُس پر پھر وہ نظر رکھ کر اُس کو اُچھالتے ہیں اور ایسی چٹھیاں مثلاً ملنی شروع ہو جاتی ہیں کہ فلاں شخص کو جماعت نے اپنا امام الصلوٰۃ مقرر کیا ہے اور وہ قراءت اچھی نہیں جانتا اور فلاں صاحب جن کو ردّ کر دیا گیا ہے وہ بہت اچھی قراءت جانتے ہیں۔ اس لئے کیا ایسے شخص کے پیچھے ہم لوگوں کی نماز ہو جائے گی؟ واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی کسی کے پیچھے بھی نماز نہیں ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے اُن کو متقی امامت سے الگ کر دیا ہوتا ہے۔ جس کا امام متقی نہیں اُس کے ماننے والے متقی کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور جو غیر متقی اپنا ایک غیر متقی امام بنا لیتے ہیں اُن کی نماز کہیں بھی نہیں ہوتی اور وہ اس مضمون کو بھول جاتے ہیں کہ اُنہوں نے خود اپنا تعلق تقویٰ سے کاٹ کر خدا تک جتنے بھی سلسلے ہیں اُن سب کو شروع سے کاٹ لیا ہے۔

ایک تیسری قسم کی اشتراک والی قیادت اس طرح ابھرتی ہے کہ کسی شخص کے امیر سے یا

پریذیڈنٹ وغیرہ جو بھی عہدہ ہو یا مربی اُس سے اختلافات ہو جاتے ہیں اور اُن اختلافات کی بنا پر وہ اپنے ہم خیال لوگوں کو اکٹھا کرتا ہے جن کو امیر یا مربی وغیرہ سے ویسے کوئی الگ شکایات ہوں۔ چنانچہ یہ شکایتیوں کا ٹولہ محض حب علی کی بنا پر نہیں بلکہ بغض معاویہ کی بنا پر اکٹھا ہوتا ہے اور جو بھی امیر کا دُشمن ہوگا یا نظام کے کسی عہدیدار کا دشمن ہوگا جس سے یہ مخاصمت چل رہی ہے وہ سرکتے ہوئے ان لوگوں کے اندر داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر ان کی مجلسیں جس طرح دانشوروں کی مجلسیں ہوا کرتی ہیں اُس طرح اس خیال سے کہ گویا ہم دانشور ہیں اور ہم جماعت کے اعلیٰ درجے کی سوچ رکھنے والا طبقہ ہیں اور اُن پاگلوں میں سے نہیں ہیں جو آنکھیں بند کر کے اطاعت کرتے ہیں۔ اس طرح کا ایک ٹولہ نمودار ہونا شروع ہوتا ہے اور وہ مجلسیں لگاتے ہیں اور امیر کو بھی ہمیشہ تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں اور دوسرے عہدیداران کو بھی۔ گویا وہ باہر بیٹھے نظام جماعت کی خامیاں تلاش کرنے پر وقف ہو جاتے ہیں اور جو نوجوان اُن کے دائرہ اثر میں جاتے ہیں وہ اُسی طرح زنگ آلود یا زخمی ہونے لگ جاتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ تقویٰ کی امامت سے کاٹ دیتا ہے اور ان معنوں میں جب آپ دُعا پر اور اس کی افادیت پر غور کریں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ غیر لوگ جن کا اس دُعا سے اور خدا سے اس رنگ میں تعلق نہ ہو، اس دعا کے واسطے سے تعلق نہ ہو اُن کے متعلق خدا کبھی یہ پرواہ نہیں کرتا کہ غیر متقیوں کو ان سے کاٹ کر الگ کر دے اور وہ بیچ میں ملتے رہتے ہیں اور اُسی طرح آہستہ آہستہ ساری قوم گندی ہو رہی ہوتی ہے اور اُن کو اچھے لوگوں سے الگ کر کے باہر پھینکنے کا کوئی نظام کام نہیں کر رہا ہوتا لیکن الٰہی نظام میں یہ لوگ خود بخود نکھر کر الگ ہونے لگ جاتے ہیں۔

اب وہ دُعا کہ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا اگر مقبول ہو اور یہ لوگ پھر بھی صالح قیادت کے ساتھ رہیں تو یہ ممکن نہیں ہے، اس بات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب ہم یہ دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا ہمیں متقیوں کا امام بنانا تو درجہ بدرجہ جو لوگ بھی اس دُعا کے اثر کے تابع اپنی زندگیاں گزارتے ہیں یعنی خدا سے یہی مانگتے ہیں اور عملاً یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ متقیوں کے ہی امام رہیں۔ خدا تعالیٰ غیر متقیوں کو اس طرح اُن سے کاٹ کے الگ کرتا چلا جاتا ہے اور دو قیادتیں اُبھر جاتی ہیں۔ ایک متقی قیادت اور ایک غیر متقی قیادت۔ پس سوال یہ ہے کہ اس کی پہچان کیا ہے؟ کون سی متقی

قیادت ہے اور کون سی غیر متقی قیادت؟ اس کی بہت سی پہچانیں ہیں اور ہر جماعت میں ایسے لوگوں کو جو غیر متقی ہوں متقیوں سے الگ کرنا ہرگز ناممکن نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ مضامین اتنے کھول کر بیان کر دیئے ہیں کہ اُن کی روشنی میں کھرے کو کھوٹے سے تمیز کرنا، روشنی کو اندھیرے سے الگ دیکھنا ہرگز ناممکن نہیں بلکہ ضروری ہے۔ ہر بینا آنکھ آسانی کے ساتھ ان دونوں ٹولوں میں فرق کر سکتی ہے۔ تبھی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۲﴾ (بنی اسرائیل: ۸۳) حق آ گیا ہے اور باطل نے اُس جگہ کو چھوڑ دیا ہے جس سے حق قابض ہوا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے اور جہاں تک بھاگنے کا تعلق ہے باطل کے مقدر میں ہے کہ وہ بھاگے حق کے مقدر میں نہیں ہے۔ پھر فرمایا رات اور دن اکٹھے نہیں ہو سکتے، ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ زندہ اور مردہ ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور ان دونوں میں ایک نمایاں فرق ہے۔ پس یہ بات ناممکن ہے کہ متقی اور غیر متقی اکٹھے رہتے ہوں اور ایک بینا آنکھ جس کی نظر قرآن کریم کی تعلیم سے روشنی حاصل کرتی ہو وہ پہچان نہ سکے کہ غیر متقی کون ہے اور متقی کون ہے؟

سب سے پہلی چیز جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ متقی شخص اعلیٰ مقاصد کی خاطر اپنے جذبات کو قربان کرتا ہے اور اپنے جذبات کی خاطر اعلیٰ مقاصد کو قربان نہیں کیا کرتا۔ اگر اُس کا نفس کچلا گیا ہے اور وہ اپنے نفس کا بدلہ اُتارتے ہوئے جانتا ہے کہ اور بھی بہت سے نفوس کو زخمی کرے گا اور اُن کو بھی جماعت سے بدظن کرنے کا موجب بنے گا تو وہ اُن انبیاء کی تقلید کرتا ہے جو رات کو اُٹھ کر یہ عرض کرتے ہیں کہ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف: ۸۷) کہ میں اپنے شکوے اور اپنی شکایتیں لوگوں کے سامنے نہیں کیا کرتا بلکہ رات کے اندھیروں میں تنہائی میں اُٹھ کر خدا کے حضور پیش کرتا ہوں ۔ پس متقی ہمیشہ اپنے شکوؤں اور شکایتوں کو خدا کے حضور پیش کرتا ہے یا خدا کے نمائندوں کے حضور پیش کرتا ہے جن کو وہ جانتا ہے کہ خدا کی طرف سے نمائندہ ہیں۔ یہ بحث الگ ہے کہ دنیا کی نظر میں وہ نمائندہ ہیں یا نہیں لیکن جب تک کوئی شخص یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ فلاں شخص خدا کی طرف سے نمائندہ ہے اُس وقت تک اگر وہ متقی ہے تو اُس کا فرض ہے کہ اپنے شکوے اور اپنی شکایات اُسی طرح خدا کے نمائندوں کے حضور پیش کرے جس طرح وہ خدا کے حضور پیش کرتا ہے اور خدا کے حضور پیش کرنے کا طریقہ اس قرآنی دُعا نے ہمیں سکھا دیا کہ رات کے اندھیروں میں اُٹھ کر جب

آواز گھر سے باہر نہیں نکلتی بلکہ گھر والوں کو بھی سنائی نہیں دے رہی ہوتی کہ خدا کا مخلص اور دُکھا ہوا بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ میں تو اپنے غم اور اپنے دُکھ صرف اللہ ہی کے حضور پیش کرتا ہوں۔ پس اس رنگ میں جو شکایت ہوتی ہے وہ بہت زیادہ گہرا اثر دکھاتی ہے کیونکہ یہ شکایت مبنی بر تقویٰ ہے اور یہاں اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ میں یہی شکایت کا رنگ ہے جو بیان فرمایا گیا ہے۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے کوئی اصلاح کی راہ نہیں رہتی اس لئے وہ فتنے پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے فتنے پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی انا کی خاطر فتنے پیدا کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر وہ تقویٰ کی یہ راہ اختیار کریں جو اصلاح کی حقیقی راہ ہے تو پھر اُن کی لیڈری نہیں چمکے گی بلکہ اُن کی شکایت کا ازالہ ہوگا اور جس چیز کو وہ اُچھال کر جماعت کے بعض دوسرے مجبور لوگوں کے سامنے لیڈر بن رہے ہوتے ہیں وہ چیز باقی نہیں رہتی جسے اُچھال کر پیش کیا جائے۔ چنانچہ بسا اوقات میں نے تجربہ کیا ہے جب کوئی متقی کسی سے دکھ اُٹھاتا ہے اور وہ بصیغہ راز مجھے مطلع کرتا ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ میں تو بہر حال برداشت کر رہا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر یہ اسی قسم کے حالات چلتے رہے تو بعض لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ جب میں تحقیق کرواتا ہوں کیونکہ متقی کی تحریر میں بھی ایک بڑی قوت ہوتی ہے اور صداقت اپنے آپ کو خود منواتی ہے اُس میں گواہیوں کی ضرورت نہیں رہا کرتی۔ ایسی تحریر دیکھتے ہی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی سچا ہے لیکن محض اس وجہ سے نہیں بلکہ تحقیق کا حق ادا کرنے کی خاطر جب تحقیق کروائی جاتی ہے تو پتا چلتا ہے اور ہمیشہ ایسے شخص کی شکایت کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ مطمئن ہو جاتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں نہ اُس کے گرد کوئی ٹولہ اکٹھا ہوتا ہے، نہ زبان کے چسکوں کا موقع ملتا ہے کہ مجلسیں لگ رہی ہیں اور criticise کیا جارہا ہے، بعض لوگوں پر تنقید کی جارہی ہے اور اسی طرح ایک الگ اپنی چوہدراہٹ قائم کر لی جاتی ہے۔

یہ لوگ جو تیسرا طبقہ ہیں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کے اکٹھے ہونے کے نتیجے میں ایک اور چیز اُبھرتی ہے اور وہ جتھا بندی کا مضمون ہے۔ جتھا بندی شروع تو اسی طرح ہوتی ہے جیسے میں بیان کر رہا ہوں کہ کسی کی دشمنی میں چند لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو جائیں لیکن جب اُن میں کچھ طاقتور، کچھ منہ پھٹ لوگ شامل ہو جاتے ہیں تو اندرونی طور پر اُن میں قوت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے

اور یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہوتا کون ہے ہمیں دبانے والا۔ ہم مجالس میں اُٹھیں گے اور کھلے منہ سے بکواس کریں گے اور تنقید بھی کریں گے اور گالیاں بھی دیں گے اور جب بھی کوئی امیر ہمیں دبانے کی کوشش کرے گا اُس کے منہ پر بات ماریں گے اور ہمارے ساتھی اُٹھ کر شور مچائیں گے اور کہیں گے اس کی بات سُنو تم یہ کیا اپنی باتیں لگائے ہوئے ہو۔ جب اس قسم کی طاقت کا احساس جتھے میں پیدا ہو جائے تو پھر یہ بغاوت کی وہ آخری شکل ہے جو شیطان نے اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ (الاعراف:۱۳) کہنے کے بعد اختیار کی۔ پہلے اُس نے قرآن کریم میں ہمیں سمجھایا کہ خدا کے مقابل پر بغاوت کا اعلان نہیں کیا تھا اور خدا کے مقابل پر ہرگز اپنی بڑائی بیان نہیں کی تھی۔ اُس نے خدا کے منتخب نمائندے کے مقابل پر اپنی بڑائی بیان کی تھی اور کہا تھا۔ میں اس سے بہتر ہوں، تیرا انتخاب غلط ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے اُس کی اس بات کو رڈ کر دیا اور بعد میں جاری ہونے والے مضمون سے ثابت ہو گیا کہ شیطان جھوٹا تھا اور خدا کا انتخاب ہی سچا تھا تو بعد میں پھر اُس میں وہ انانیت پیدا ہوگئی جو جتھے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اُس نے خدا سے کہا کہ مجھے مہلت دے تو میں قیامت تک اب تیرے لوگوں کو، تیرے بظاہر جو تیرے بندے ہیں اُن کو تجھ سے گمراہ کروں اور تیرے خلاف اُن کو بغاوتوں پہ آمادہ کروں۔ جو جواب خدا تعالیٰ دیتا ہے اُس میں یہ جتھے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ فرمایا ہم جانتے ہیں تیرے پاس جتھے ہیں، بعض طاقتور لوگ تیرے ساتھی بن چکے ہیں۔ پس فرمایا اپنے گھوڑ سواروں کو اور اونٹ سواروں کو اور پیادہ چلنے والے جتھوں کو بے شک اکٹھا کرو اور میرے مقرر کردہ امام کے خلاف چڑھا لاؤ اور میں قیامت تک کے لئے تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ایسا کرتے چلے جاؤ اور کرتے چلے جاؤ اور کرتے چلے جاؤ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو میرے بندے ہیں یعنی یہاں مراد متقیوں سے ہیں کہ جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں اور جن کا میرے سے تعلق قائم ہو چکا ہے اُن پر تمہیں کبھی کوئی غلبہ نصیب نہیں ہوگا لیکن جو کمزور ہیں وہ ٹوٹتے چلے جائیں گے اور آہستہ آہستہ تمہاری رعونت کو اور بڑھانے کا موجب بنتے چلے جائیں گے۔

پس یہ جو فتنہ گر ہیں یہ خدا کے باغی ہو جاتے ہیں اور خدا کے باغی براہ راست نہیں بنتے بلکہ قدم بقدم اور منزل بہ منزل ان کی بغاوت زیادہ اور زیادہ سر اُٹھانے لگتی ہے۔ پہلے مقامی طور پر جو منتخب نمائندہ ہیں اُن کے خلاف یہ کہہ کر بغاوت کی جاتی ہے کہ یہ تو ذلیل اور گھٹیا سے لوگ ہیں، بے معنی

ہیں، بے عقل ہیں، کچھ بھی ان کو حاصل نہیں اور ان کو ہمارا سردار بنایا گیا ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ پھر جب جتھا بنتا ہے اور تکبر پیدا ہوتا ہے تو افسر بالا جو ہیں مثال کے طور پر امارت ضلع اُن تک بات پہنچتی ہے اور جب وہ تحقیق کر کے مجھے یہ مطلع کرتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور بے حقیقت لوگ ہیں جو باوزن لوگ ہیں وہی ہیں جو اس وقت جماعت کے ذمہ دار ہیں اور یہ جتھہ اُن سے زیادتی کر رہا ہے تو اُس کے جواب میں مجھے چٹھی ملتی ہے کہ آپ کا امیر ضلع خود نہایت غیر متقی ہے، جھوٹا ہے اور لالچی ہے۔ یہ وہاں آیا اور امیر نے یا پریذیڈنٹ نے اس کے لئے حلوے مانڈے تیار کئے، مرغے کھلائے اور یہ اُن کے کھانے کھا کر اُنہی کے ہاتھ پر بِک کر واپس لوٹا ہے اِس لئے اس کی بات کا آپ اعتبار کس طرح کر لیتے ہیں؟ جب اُن کو لکھا جائے کہ اچھا ہم اَور آگے بڑھ کر بالائی سطح پر کمشن مقرر کرتے ہیں اور ناظر صاحب امور عامہ کو مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ جائیں یا ناظر اصلاح وارشاد جائیں۔ مرکزی نمائندگان اور شامل ہو جائیں تو ایسی جماعت میں جب وہ پہنچ کر تحقیق کرتے ہیں تو لازماً پہلی تحقیق کے مطابق ہوتی ہے۔ اُس کا وہ جواب یہ دیتے ہیں کہ دیکھئے وہی بات ہوئی۔ امیر ضلع نے ان لوگوں کی خاطریں کی ہیں، امیر ضلع ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے، مرکز میں تو تقویٰ رہا نہیں، آپ نہیں ہیں تو پیچھے کچھ بھی نہیں رہا، سب صفایا ہو چکا ہے، آپ کو پتا ہی نہیں کہ لوگ کس طرح تقویٰ کا دامن چھوڑ کر دنیاداریوں میں پڑ چکے اور پیچھے تو حال ہی کوئی نہیں رہا۔ پھر میں اُن کو کہتا ہوں کہ اب ایک ہی طریق ہے کہ میں براہ راست فیصلہ کروں اور تم براہ راست میرے خلاف بغاوت کرو کیونکہ میں جانتا ہوں تم کون لوگ ہو اور بجائے اس کے کہ تمہارا یہ پردہ بھی چاک ہو جائے میں تمہیں یہی نصیحت کرتا ہوں کہ جس طرح بھی ہے خاموشی سے زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو اور دُعا کرو کہ خدا تمہیں ہلاکت کا آخری قدم اُٹھانے سے پہلے بُلا لے اور اس زندگی میں ایسی بربادی نصیب نہ ہو جو لازماً اُخروی زندگی کی بربادی پر منتج ہوا کرتی ہے۔

پس خدا تعالیٰ جب فرماتا ہے وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا کی دُعا کرو تو اُس دُعا میں سارا نظام شامل ہو جاتا ہے۔ انبیاء کی طرف سے یہ دُعا چلتی ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے انبیاء کی امتوں کا وہ حصہ رفتہ رفتہ اُن سے کاٹا جاتا ہے جن کا تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ چنانچہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ آخری زمانے میں جس قسم کے لوگ پیدا ہوں گے اُن کے متعلق قرآن یہ شکوہ

کرے گا قیامت کے دن کہ ان لوگوں نے ہمیں مہجور کی طرح چھوڑ دیا تھا اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نظارہ ہمارے سامنے پیش فرماتے ہیں کہ میں حوضِ کوثر پر اپنے متقی غلاموں کو کوثر بانٹ رہا ہوں گا تو ایک ایسا جتھا مجھے دکھائی دے گا جن کو میں ٹھیک سمجھتا تھا اور اُن کو جہنم کے فرشتے ہانک کر دوزخ کی طرف لے جارہے ہوں گے۔ میں عرض کروں گا اصحابی، اصحابی۔ اے میرے اللہ! یہ تو میرے صحابہ تھے۔ تو مجھے بتایا جائے گا کہ تجھے کیا پتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا رنگ اختیار کرلیا۔ (بخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر ۴۲۵۹) اس مضمون میں بعض بڑی گہری باتیں ہیں جن پر غور ویسے ہی اپنی ذات میں ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ نبی کی آنکھ تو بہت بصیرت والی آنکھ ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ جو خدا کے نور سے دیکھتی تھی جیسا کبھی کسی نے خدا کے نور سے نہیں دیکھا۔ آپؐ کا یہ کہنا کہ یہ ٹھیک لوگ تھے، ان کو کیوں جہنم میں لے جایا جارہا ہے؟ ایک یہ وہم بھی دلوں میں پیدا کرسکتا ہے کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو نہیں پہچان سکے؟ لیکن اس وہم کا جواب اس حدیث میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ جواباً یہ نہیں فرماتا کہ تجھے نہیں پتا تھا یہ کیسے گندے لوگ ہیں مَیں جانتا تھا۔ فرمایا کہ تجھے نہیں پتا کہ تیرے بعد ان لوگوں نے کیا رنگ اختیار کرلیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ **جو بظاہر متقی نظر آنے والا ہے خواہ اُس وقت کی حالت اُس کی تقویٰ ہی کی ہو اگر وہ دل کی گہرائی سے اللہ کے تعلق کی بنا پر وہ نیکیاں سرانجام نہ دے رہا ہو اور اُس میں کوئی سرزنش غیر اللہ کی شامل ہو جائے تو اُس وقت کے اُس کے حالات بظاہر نیکی ہی کے حالات کہلائیں گے اور ایک نبی کی آنکھ بھی نیک کے طور پر اُن کو دیکھے گی لیکن وہ اندرونی رخنہ رفتہ رفتہ بڑھتا ہے اور بالآخر اُن کا خدا سے تعلق کاٹا جاتا ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ بدانجام کو پہنچتے ہیں۔**

یہ مضمون ہمیں بتاتا ہے کہ دُعا کتنی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے کہ میں نے کسی نبی کا زمانہ پالیا ہے اور نبیوں میں سے بھی تمام انبیاء سے افضل کا زمانہ پالیا ہے اور اُس کی نظر میں اچھا ٹھہرا۔ اسی پر بنا کرتے ہوئے تکبر اختیار کر جائے اور اپنے آپ کو نظام سے بالا سمجھنے لگے اور الٰہی نظام سے کسی معنے میں ٹکر لینے کا خیال کرلے تو ان تمام نیکیوں کے باوجود وہ ہلاک ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو واقعات ہوئے وہ اسی قسم کے واقعات تھے۔ بعض لوگ اپنی صحابیت کے برتے پر اور اُس وقت کی عظمت کے برتے پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اُنہوں

نے حاصل کی بعد کے زمانے میں سردار بننے لگ گئے اور نظام کے مقابل کھڑے ہونے لگ گئے۔ بعض صورتوں میں خلافت سے ٹکر لینے لگ گئے اور اُن سب کو خدا کی تقدیر نے ہلاک کر دیا۔

پس ثباتِ قدم اور آخری سانس تک ثباتِ قدم یہی وہ آخری انسان کی تمنا ہے جو اگر پوری ہو جائے تو وہ کامیاب ہو گیا۔ یہی تمنا انسان کا مقصود اور مطلوب اور زندگی کا مدعا بن جانی چاہئے۔ پس یہ دُعا کہ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا اِس مضمون کو بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر ہمارے سامنے کھولتی ہے اور اس سے بہتر دُعا کوئی متصور ہو نہیں سکتی۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم یہ دعا کیا کرو کہ ہم متقی بنیں۔ فرمایا یہ دُعا کیا کرو کہ متقیوں کے امام بنیں۔ دُور تک کے مستقبل کی حفاظت اس دُعا میں شامل ہو جاتی ہے۔ اوّل یہ کہ متقی بننا بہت اچھی بات ہے لیکن متقیوں کا امام بننا تو شہنشاہ بننے کے مترادف ہے۔ ایک بادشاہ بھی بہت بُلند مرتبہ رکھتا ہے لیکن جو بادشاہوں کا شاہ ہو جسے شہنشاہ کہا جاتا ہے اُس کا مرتبہ بہت عالی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء کی نسبت سے یہ مرتبہ عطا ہوا کہ آپؐ انبیاء کے امام تھے اور آپؐ کی اُمت کو خدا نے یہ دُعا اُسی نسبت سے سکھائی کہ یہ دُعا کیا کرو وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ہمیں بھی شہنشاہیت عطا کر اپنے دربار سے اور ہمیں صرف متقی نہ بنا بلکہ متقیوں کا امام بنا۔ تو جو شخص متقیوں کا امام بننے کی سچے دل سے دُعا کرتا ہے وہ لازماً اپنے تابع لوگوں کے تقویٰ پر نظر رکھتا ہے اور اپنے متبعین سے اُس کا تعلق تقویٰ کی بنا پر بڑھتا ہے۔

پس یہ جتنے ٹولے میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں یہ اس لحاظ سے ننگے ہو جاتے ہیں۔ اکثر ان کے ساتھ شامل ہونے والے لوگ غیر متقی ہوتے ہیں۔ اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کو سب دنیا جانتی ہے کہ ان لوگوں کے مقابل پر بہت زیادہ مجروح اعمال ہیں جنہوں نے نظام جماعت کے ساتھ اپنی وابستگی کو قائم رکھا ہے اور ہر قیمت پر امیر کی اطاعت اختیار کرنے والے ہیں۔ ان کی قربانیوں کا معیار، اُن کی روزمرہ کی زندگی، اُٹھنا بیٹھنا، اُن کی نمازیں، اُن کا چندوں میں ہی نہیں بلکہ ہر نیکی کی آواز پر لبیک کہنا یہ تمام امور اُن کو ان دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ ایک سچا امیر جو واقعۃً اپنے لئے متقیوں کا امام ہونے کی دُعا کرتا ہے اور یہ دلی خواہش رکھتا ہے ایسے لوگوں کی کمزوریوں پر نظر رکھتا ہے اور ہمیشہ اُن کو نصیحت کرتا چلا جاتا ہے کہ تم نے فلاں بات میں کمزوری دکھائی تم اُسے دور کرنے کی کوشش کرو، تم چندوں میں پیچھے رہ گئے، تم نمازوں میں پیچھے رہ گئے، تم

بیویوں سے حسنِ سلوک میں پیچھے رہ گئے۔ ان باتوں کی طرف وہ توجہ دلاتا رہتا ہے اور اُن کی مجلسیں انہی باتوں میں رہتی ہیں۔ جو مخالف ٹولے ہیں اُن میں آپ یہ باتیں نہیں دیکھیں گے۔ کبھی یہ نہیں ہو گا کہ ان کے مخالف ٹولے اکٹھے بیٹھے ہوں اور اُن کے سردار نے کہا ہو میں تم میں فلاں تقویٰ کی خرابی دیکھ رہا ہوں، تم نے فلاں چندے میں لبیک نہیں کہا، تم نمازوں میں سُست ہو گئے ہو، تم اپنے بیوی بچوں سے حسنِ سلوک میں پیچھے رہ گئے ہو ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ اپنی اصلاح کی بجائے یا یوں کہنا چاہئے کہ اپنی کمزوریاں دیکھنے کی بجائے اُن کو دور کرنے کی خواہش کی بجائے وہ صرف دوسروں کی کمزوریاں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور تحکم کے ذریعہ اُن کو دور کرنے کا ادّعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ وہ دور کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ اس بات پہ زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ اَور زیادہ کمزوریاں دکھائی دیں اور یہ کمزوریاں باقی رہیں تا کہ یہ لوگ ہمیشہ اُن کی تنقید کا نشانہ بنے رہیں اور جو متقیوں کے امام ہیں وہ اپنے متبعین سے بھی اور دوسروں سے بھی ہمیشہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی کمزوریاں دور کریں گے اور اُن کی زندگیاں کمزوریاں واقعۃً دور کرنے پر وقف رہتی ہیں کمزوریوں پر تنقید کرنے پر وقف نہیں ہوتیں۔

پس یہ خیال کر لینا کہ متقیوں اور غیر متقیوں کے درمیان فرق مشکل ہے اور کہہ نہیں سکتے کہ کون سا ٹولہ متقی ہے اور کون سا غیر متقی ہے یہ بالکل ایک بچگانہ خیال ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم پر اگر آپ غور کریں بلکہ ادنیٰ سا بھی غور کریں تو یہ مضمون ہر جگہ کھلتا چلا جاتا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ متقی غیر متقیوں جیسے ہوں اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا دونوں سے ایک ہی جیسا سلوک کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو جس طرح مختلف رنگ میں بیان فرمایا وہاں یوں بھی بیان فرمایا
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۲۰ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۱ (الحشر: ۱۹ تا ۲۱) کیسی خوبصورتی کے ساتھ، کس وضاحت کے ساتھ اس مضمون کے ہر پہلو کو کھول دیا ہے۔ تقویٰ کا ذکر چل رہا ہے چنانچہ یہ تقویٰ ہی کا مضمون ہے۔ فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اے وہ لوگو! جو ایمان لانے والے ہو اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

اورتقویٰ کی پہلی علامت جوتم میں ظاہر ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ تم نے اپنے آگے کیسے اعمال بھیجے ہیں اور اپنے پیچھے کیسی نسلیں چھوڑ کر جانے والے ہو۔ یعنی اپنے اعمال پر نظر رکھو اور اُن لوگوں کے اعمال پر نظر رکھو جن کے تم امام ہو۔ جن نسلوں کو تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے اور اُن کو مستقبل کے سپرد کر کے واپس چلے جاؤ گے۔

پس اس تقویٰ کے ساتھ ایک انسان کو تو ہوش ہی نہیں رہتی کہ وہ دنیا کو تنقید کا نشانہ بناتا رہے۔ تقویٰ کا مطلب اُس کے دل پر اس ہیبت کے ساتھ طاری ہو جاتا ہے کہ اگر میں نے ایسے اعمال اختیار کئے جو میں نے آگے بھیجنے ہیں اور قیامت کے دن اُنہوں نے مجھ پر گواہ بننا ہے جو میرے لئے رسوائی اور ذلت اور خدا کی ناراضگی کا موجب بنیں گے تو یہ آیت ہمیشہ میرے خلاف گواہ بن کر کھڑی ہو گی اس لئے وہ تقویٰ کا یہ مفہوم سمجھتا ہے کہ ہر وقت اپنے اعمال کی نگرانی کرتا چلا جائے۔

دوسرا مضمون ہے اگلی نسلیں جو تم زمانے کے لئے آگے بھیج رہے ہو وہ ہمیشہ انکی فکر رکھتا ہے، ہمیشہ نظر رکھتا ہے اپنی اولاد پر، اُن کی حرکتوں پر، اپنے دوستوں پر کیونکہ یہاں صرف اولاد کا ذکر نہیں فرمایا۔ فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اگر صرف اولاد ہوتی تو یہ محدود مضمون تھا یا فرمایا ہے جو کچھ بھی تم آگے بھیج رہے ہو۔ چنانچہ ہر انسان ایک دائرہ اثر رکھتا ہے اور وہ دائرہ اثر صرف اولاد تک محدود نہیں ہوا کرتا، اُس کے ملنے جلنے والے، اُس سے متأثر لوگ، اُس کے بہی خواہ یا اُس کے دستِ نگر لوگ، کئی طرح کے ایک انسان کے دائرے میں بہت سے لوگ شامل ہو جایا کرتے ہیں۔ اُن سب پر وہ اپنے اثرات مترتب کر رہا ہوتا ہے اور وہ جس قسم کے لوگ بنا کر آگے بھیجتا ہے یعنی مستقبل میں وہ سارے اس آیت کے دائرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگ جن کا میں نے ذکر کیا ہے جو منافقت کے دائرے کے نتیجے میں اپنی چوہدراہٹ الگ بنانے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے اوپر اس آیت کا کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔ اکثر میں نے ان لوگوں کی اولادیں ضائع ہوتی اور ہلاک ہوتی دیکھی ہیں اور وہ لوگ جو آپ کو متقی دکھائی دیتے تھے آگے اُن کی اولادیں ضائع ہو جاتی ہیں کیونکہ اُنہوں نے اپنی ساری زندگی لوگوں کو تنقید کا یا امارت کو یا نظامِ جماعت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے گزار دی۔ پس خدا جو اُن کی اولادوں سے سلوک فرماتا ہے وہ ظاہر کر دیتا ہے کہ کس حد تک یہ لوگ متقی تھے۔ کیونکہ ان کی نیکیاں پھر آگے نہیں جاتیں۔

پس اس آیت پر آپ جتنا بھی غور کرتے چلے جائیں اس کا مضمون وسیع سے وسیع تر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خبردار ہم پھر تمہیں تقویٰ کی تلقین کرتے ہیں۔ تمہیں نہیں علم کہ تم کیوں بعض حرکتیں کرتے ہو اور خدا جانتا ہے۔ اس لئے تمہیں آج علم نہ بھی ہو تو چونکہ خدا کا علم ہے جو آئندہ زمانے پر اثرات مترتب کرے گا تمہارا علم نہیں اس لئے تم اپنی طرف سے اچھی چیزیں بھی بنا رہے ہو وہ نہایت ہی مکروہ چیزوں کی شکل میں آئندہ اُبھرنے والی ہیں اس لئے خدا سے ڈرنا ضروری ہے اور خدا پر انحصار ضروری ہے اور اُس سے دُعا کے ذریعے مدد مانگنا ضروری ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ یہ وہ لوگ ہیں جو رفتہ رفتہ خدا کو بھول جانے والے لوگ ہیں جو ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

پس خدا اور اُس کی یاد اُن کی باتوں اور مجالس کی دلچسپیوں کا مرکز نہیں رہتا بلکہ اسی قسم کے مشغلے ہیں جن میں وہ زندگیاں اپنی ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔ اُن کی لذتوں کے رُخ بدل جاتے ہیں۔ فرمایا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں۔ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ خدا اُن کو اس طرح بھولتا ہے کہ اُن کو اپنے مفادات سے غافل اور بے خبر کر دیتا ہے۔ پس خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کا مضمون اس خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھایا گیا ہے کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اُس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم رفتہ رفتہ خدا کو زیادہ سے زیادہ بھولتے چلے جاؤ گے اور وہ لوگ جو خدا کو بھول جاتے ہیں خدا اُن کو اپنے حال سے بے خبر کر دیا کرتا ہے۔ پس فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ خَبِيْرٌ ہے اور تم نہیں جانتے۔ پس جب تم اپنے احوال سے بے خبر ہو جاتے ہو تمہیں پتا ہی نہیں رہتا کہ تم کیا کرتے ہو، کیوں کرتے ہو اور کس نہج میں، کس سمت میں تم آگے بڑھتے چلے جا رہے ہو تو ایسی صورت ہو جاتی ہے جیسے سرپٹ گھوڑے پر نہ ہاتھ باگ پر نہ پا رکاب میں بے قابو گھوڑے پر سوار انسان بہا چلا جا رہا ہو جس رخ پر وہ گھوڑا سرپٹ دوڑا اُسی رُخ پر اُس کا سوار دوڑتا چلا جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کا انجام اُن کے ہاتھ میں نہیں رہتا اور اُن کی بے خبری لازماً اُن کے ماحول اور اُن کی آنے والی نسلوں کی تباہی پر منتج ہوا کرتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۱﴾ یہ خیال نہ کرنا کہ اصحاب الجنہ اور اصحاب النار میں فرق کرنا مشکل ہے۔ یہ تو کھلے کھلے فرق ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں

سکتا کہ یہ دونوں برابر ہوں اور ایک حال میں رہیں یا خدا تعالیٰ اُن سے ایک جیسا سلوک کرے۔

پس اس مضمون کو ایک اَور رنگ میں بھی کھول دیا۔ نیک لوگوں کی اولادیں نیک رہتی ہیں سوائے بعض استثناؤں کے اور اُن استثناؤں میں بھی والدین میں سے کسی ایک کی غفلت کا دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے ایک کی خرابی کا جہاں ذکر فرمایا وہاں حضرت نوحؑ کی اہلیہ کی خرابی کا ذکر فرما دیا اور اُن دو عورتوں میں اُن کا ذکر کیا جن سے توبہ اور پناہ مانگنے کی ہدایت ہے۔ ایک لوطؑ کی بیوی اور ایک حضرت نوحؑ کی بیوی اور حضرت نوحؑ کی اولاد کی خرابی کا جو مضمون بیان ہوا ہے اُس سے پتا چلتا ہے کہ اس میں اُن کی اہلیہ کی کمزوری کا بھی دخل تھا۔ دنیا میں جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے جہاں نیک لوگوں کی اولاد کو برباد ہوتے دیکھا ہے وہاں الّا ماشاء اللہ میرے علم میں مگر نہیں کہ کبھی بھی ایسی صورت سامنے آئی ہو کہ دونوں ماں باپ برابر متقی ہوں اور اپنی اولاد پر ایک ہی طرح کے اثرات ڈال رہے ہوں اور اولاد ضائع ہو جائے۔ دو طرح سے بدنصیبیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ باپ نیک ہے اور ماں کے اندر کمزوری ہے وہ اس کی نیکیوں پر خوش ہونے کی بجائے تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اگر وہ غالب باپ ہے اور طاقتور باپ ہے تو وہ باپ کے سامنے تو شکوہ کرنے کی مجال نہیں پاتی، باپ کے جانے کے بعد اولاد کے کان بھرتی رہتی ہے اور اُن کو کہتی ہے کہ تمہارے حق مارے گئے، باپ تمہارا ایسا ہے پاگل ہو گیا ہے۔ نماز کے لئے صبح اُٹھا کر لے جاتا ہے تو ماں اُس پر رحم کر رہی ہوتی ہے اور اولاد پر یہ تأثر پیدا کرتی ہے کہ یہ ظالم ہے۔ تمہیں زبردستی گھسیٹ کے لے گیا ہے۔

پس جہاں یہ تضادات پیدا ہو جائیں وہاں بعض دفعہ نیک بزرگ باپ کی اولاد بھی تباہ ہو جاتی ہے اور اسی طرح بعض بزرگ ماؤں کی اولادیں بھی تباہ ہو جاتی ہیں اگر خاوند بد ہوں۔ تو دونوں کی ذمہ داری ہے اور قرآن کریم نے اسی لئے یہ تمام مضامین جمع کے صیغہ میں استعمال فرمائے ہیں اور ایک پہلو سے قومی ذمہ داری بھی ہے جیسے کہ میں کچھ بیان کر چکا ہوں کچھ آئندہ بیان کروں گا۔

تو یہ یاد رکھیں کہ بد اور نیک دو طرح سے الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ایک اپنے حالات کی وجہ سے جو ایک مؤمن کو صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اُن کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہماری غیر ذمہ دار باتوں سے کسی کا ایمان مجروح ہو جائے گا اور وہ دن بدن اخلاص کے مقام سے گرتا

چلا جائے گا اور اُن کو مزہ اس بات میں آتا ہے کہ ہماری باتوں کے نتیجے میں یہ دوسری امامت سے ہٹ کر ہماری امامت کے پیچھے لگ جائے گا۔ ایسی بعض مثالیں بعض دفعہ مربیوں کی صورت میں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ بعض مربی کسی ایسی جماعت میں جاتے ہیں جہاں اختلاف ہے اور فوری طور پر دونوں فریق کی طرف سے اُس مربی کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر وہ مربی غیر متقی ہو یا پوری طرح غیر متقی نہ ہو لیکن کچھ رخنہ موجود ہو تو بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے مربی سے مقابلہ اور رقابت اُس کو غلط قدم اُٹھانے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ پہلے مربی نے تو یہ کام کئے تھے اور میں اب آ کر اس جماعت کے ساتھ ٹھیک سلوک کرنے والا ہوں اور پھر اُس کا رجحان اس طرف شروع ہو جاتا ہے کہ فلاں فریق بہتر ہے اور جو مربی کے ساتھ لوگ تھے وہ غلط ہیں۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ تفرقہ دور کرے اور توحید کا قیام کرے وہ صرف تفرقہ کی شکل بدلتا ہے۔ جو لوگ پہلے مردود تھے اُن کا وہ سردار بن جاتا ہے اور جو پہلے محبوب تھے اُن کا دشمن ہو جاتا ہے اور پھر وہی شکایتوں کا سلسلہ اُسی طرح جاری ہے لیکن بالآخر وہ لوگ پکڑے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مربی کو میں نے اسی سلسلے میں لکھا۔ میں نے کہا مجھے تو اس طرح پتا چل جاتا ہے تم کیسے کام کرتے رہے ہو کہ بعض لوگ جماعت میں سے جو پہلے میری بیعت میں داخل تھے اور میرے مرید تھے اب وہ تمہاری بیعت میں داخل ہو چکے ہیں اور تمہارے مرید بن گئے ہیں۔ ان معنوں میں کہ جس امیر سے اُن کو دشمنی ہے کہ جو میرا منتخب امیر ہے جیسا میں چاہتا ہوں کہ اُس سے محبت اور اطاعت کا تعلق کریں وہ اختیار نہیں کرتے اور تمہارے زیادہ تابع فرمان ہیں۔ پس وہی مضمون دُعا والا کہ اے خدا! ہمیں غیر متقیوں کا امام نہ بنانا اس طرح بھی جاری ہو جاتا ہے اور وہ غیر متقی اپنے الگ امام بنا لیتے ہیں اور اُن کو خدا مجھ سے کاٹ کر الگ پھینک دیتا ہے۔ یعنی میں جب مجھ کہتا ہوں تو یہاں خلافت مراد ہے اور خلیفہ وقت سے اُن کو کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔

پس اس دُعا کا دائرہ بہت وسیع ہے، یہ دُعا بہت گہری ہے اور اس کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے ساتھ ہماری روحانی زندگی کی صحت وابستہ ہے اور اگر ساری جماعت اس دُعا کو اخلاص کے ساتھ مانگا کرے اور عادتِ مستمرہ بنالے، ساری زندگی یہ دُعا مانگے اور سوچ سوچ کر دُعا مانگے اور اپنے حالات پر اس کا اطلاق کرنے کی کوشش کرے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت سے جماعت کے

جھگڑے اور بھاری اکثریت جو فساد کی دکھائی دیتی ہے اگر چہ دوسری جماعتوں کے مقابل پر بہت ہی کم ہے لیکن فساد کے دائرے میں جو بھاری اکثریت فسادیوں کی دکھائی دیتی ہے وہ اس دُعا کے اثر سے مرجھا کر بے حقیقت ہونے شروع ہو جائیں گے۔ بیماری تب بڑھتی ہے اگر بیماری کو پھیلنے کے لئے مناسب مواد مہیا ہو۔ پس یہ لوگ جو فسادیوں کے سربراہ ہیں یہ دراصل No mans land پر حملہ کرتے ہیں۔ جو خدا کے ہیں اُن کے متعلق تو خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ قطعی اور یقینی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں سچے مخلصین کو اور متقیوں کو وہ کبھی خدا سے کاٹ کر الگ نہیں کر سکتے۔ جتنا بڑا امرضی ابتلاء آجائے ایسے وفادار ہمیشہ نظامِ جماعت کے وفادار رہتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں جب بعض ایسے لوگوں کو بھی سزا دینی پڑتی ہے اُن کی غلطیوں کی وجہ سے تو اُن کی اولاد بجائے پیچھے ہٹنے کے اَور زیادہ تقویٰ میں ترقی کرتی ہے کیونکہ اپنے والدین کو گھروں میں روتے اور معافیاں مانگتے دیکھتے ہیں، گڑ گڑاتے دیکھتے ہیں اور پھر وہ نصیحت سنتے ہیں مسلسل کہ دیکھو ہم سے غلطی ہوئی ہے تم آئندہ کوئی غلطی نہ کرنا اور وہ سمجھتے ہیں کہ **نظامِ خلافت سے کٹنا ہی اتنی بڑی سزا ہے، اتنا بڑا عذاب ہے کہ اُس کا دُکھ برداشت نہیں ہوسکتا۔** یہ متقیوں کی علامت ہے کہ وہ جب ابتلاؤں میں پڑتے ہیں اُس کے باوجود اُن کی اولادیں ایمان میں زیادہ ترقی کرتی ہیں اور وہ دوسرے لوگ ہیں وہ رفتہ رفتہ اُن لوگوں پر حملہ کرتے ہیں جو درمیان کے لوگ ہیں اور اُن کی زمین کو جو کھلی چھوڑی ہوئی زمین ہے اپنانے لگتے ہیں۔

اس پہلو سے ایک اَور مضمون تربیت کا میرے سامنے اُبھرا ہے وہ یہ ہے کہ تمام جماعت کے متقیوں کا کام ہے جو متقیوں کے سردار ہیں کہ وہ یہ نظر رکھا کریں کہ اُن کی ساری زمین متقی ہے کہ نہیں ہے اور اپنے تقویٰ کی زمین کو بڑھائیں اور جو بیچ کے پڑے ہوئے لوگ ہیں اُن کو ان ظالموں کے رحم و کرم پر نہ رہنے دیں کیونکہ جب بھی ابتلاء ہوں گے یہ بیچ کے لوگ اُن کے قابو آئیں گے۔ اس لئے ان سب کو رفتہ رفتہ ادنیٰ حالتوں سے اونچا کر کے اعلیٰ حالتوں کی طرف لے جائیں اور ایسا متقیوں کا گروہ بنادیں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ اُن کا ہاتھ ایک ایسے **عروہ وثقی** پر پڑا ہوا ہے لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ: ۲۵۷) جس کے مقدر میں ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ کسی قیمت پر پھر وہ اُس خدا کی رسی سے الگ نہیں ہو سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور یاد رکھیں افتراق سے بڑھ کر دنیا میں اَور کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہی شرک ہے جو خدائے واحد ہے اُس کے ماننے والے

ہمیشہ موحد رہتے ہیں اور عملاً ایک ملتِ واحدہ بن کر دنیا میں زندہ رہتے ہیں۔ افتراق توحید پر حملہ کرنے والی چیز ہے اور وہ قوموں کو منتشر کرنے کا سب سے بڑا خطرناک ہتھیار ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور ہمیشہ افتراق کے ذریعے وہ الٰہی جماعتوں کو تباہ کیا کرتا ہے۔

پس وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا کی دُعا کو لزوم کے ساتھ پکڑ لیں ہمیشہ دائمی طور پر اس کے ساتھ چمٹے رہیں۔ اگر آپ اس سے چمٹے رہیں گے تو پھر وہ بدیاں آپ سے چمٹ نہیں سکیں گی جن کا اگلی آیت میں ذکر ہے کہ فَقَدۡ كَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ يَكُوۡنُ لِزَامًا (الفرقان:۷۸) تم نے دُعا کی اہمیت کا ہی انکار کر دیا اس سے غافل ہو گئے ہو اب تو لازماً برائیوں نے تمہیں چمٹ جانا ہے۔ پس یا آپ چمٹیں گے اور نیکیوں سے چمٹیں گے **عروہ وثقٰی** سے چمٹیں گے اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں گے یا پھر برائیاں آپ سے چمٹیں گی اور جس کا ہاتھ رسی سے الگ ہو جائے وہ پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو جایا کرتا ہے اور لازماً برائیاں ایسے لوگوں پر قابض ہو جایا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ جماعت کو توحید کے ساتھ اور ایسی وحدت کے ساتھ جو خدا کی نظر میں مقبول وحدت ہو آگے بڑھاتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)